Md Minhajuddin

Guest Teacher, Department of Urdu.

D. B. COLLEGE, JAYNAGAR.

LNMU, DARBHANGA, (BIHAR)

میر تقی میرؔ

(مختصر سوانح)

میر تقی میرؔ کا پورا نام میر محمد تقی تھا، آپ کے والد کا نام محمد علی تھا جو علی متقی کے نام سے مشہور تھے، جو ایک درویش صفت انسان تھے۔ میرؔ نے اپنے اپنی خودنوشت ''ذکر میر'' میں اپنے خاندان اور ان کے احوال کا ذکر کیا ہے۔ میر کے مطابق ان کے بزرگ حجاز (عرب) سے ہندوستان آئے۔ پہلے یہ لوگ اپنے قافلہ کے ساتھ دکن (احمد آباد، گجرات) کے ساحل پر اترے، وہاں سے کچھ لوگ ہجرت کر کے گوالیار آ گئے، اسی خاندان کی ایک شاخ وہاں سے آگرہ آ گئی۔ میرؔ کے مطابق ان کے دادا نے بڑی محنت اور تگ و دو کیا اور نواحِ آگرہ کے فوجدار بنے، یعنی آپ کے دادا ایک خوشحال شہری تھے۔ لیکن محض پچاس سال کی عمر میں بیماری کے سبب دار فانی سے کوچ کر گئے۔ لواحقین میں دو بیٹے تھے، بڑا بیٹا دماغی طور پر بیمار تھا جو جوانی میں ہی فوت ہو گیا، چھوٹے بیٹے (جو میر کے والد تھے) نے آگرہ کے صوفی بزرگ شاہ کلیم اللہ اکبر آبادی سے تعلیم حاصل کیا اور انہی کے مرید ہو گئے، بعد میں ترک دنیا کر کے درویشی اختیار کر لی۔ میرؔ کے والد کی ریاضت اور تقویٰ کی وجہ سے ہی لوگ انہیں متقی کہتے تھے اور محمد تقی کے نام سے مشہور ہوئے۔ میرؔ جب صرف دس برس کے تھے ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ میر کے والد کی دو شادیاں تھیں، پہلی شادی فارسی کے مشہور شاعر 'سراج الدین علی خان آرزوؔ' کی بہن سے ہوئی تھی، جن کے بطن سے میرؔ کے سوتیلے بھائی 'حافظ محمد حسین' پیدا ہوئے، غالباً پہلی بیوی کے انتقال کے بعد محمد علی نے دوسری شادی کی تھی۔ دوسری بیوی کے خاندان کی کوئی تفصیل نہیں ملتی، دوسری بیوی کے بطن سے میر محمد تقی یعنی میر تقی میرؔ کی پیدائش ہوئی، ان سے دو بچے اور ہوئے، دونوں میرؔ سے چھوٹے تھے، ایک بیٹا 'محمد رضی' اور ایک بیٹی بھی ان کی اولاد میں تھیں۔

میرؔ اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے، تاریخ پیدائش میں کافی اختلاف ہے، مورخین میں کئی رائے ہیں، مگر اختلافات سے قطع نظر خان بہادر جعفر علی خان اثر نے ''نیرنگ'' کے میر نمبر میں سن ولادت ۱۱۳۷ھ اور سن وفات ۱۲۲۵ھ لکھا ہے، رام بابو سکسینہ نے بھی تاریخ پیدائش ۱۱۳۷ھ ہی لکھا ہے۔ اور راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانہ میں دستیاب میرؔ کے دیوان چہارم کے

قلمی نسخے میں درج ایک عبارت جو میرؔ کے ایک شاگرد محمد محسن کی تحریر کردہ ہے اس کے مطابق میرؔ کا سن وفات ۱۲۲۵ھ ہے، لہذا میرؔ کا سن وفات متنازعہ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے میرؔ ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۲ء) میں آگرہ میں پیدا ہوئے اور نوے (۹۰) برس کی عمر میں ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں لکھنؤ میں انتقال ہوا، وہیں مدفون ہوئے۔

میر کی ابتدائی تعلیم روایتی مذہبی طرز سے ہی ہوئی، سات برس کی عمر میں سید امان اللہ کی نگرانی میں تعلیم کا آغاز ہوا اور انہیں کی تربیت میں قرآن شریف بھی مکمل کیا، والد سے عشق حقیقی کا درس ملا، والد کی شخصیت، ان کی زندگی، دلسوزی اور وسیع المشربی نے میرؔ کی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ میرؔ کے والد ایک صوفی فقیر تھے، لہذا ان کا بچپن بھی صوفیوں، درویشوں اور عالموں کے ساتھ گزرا۔ والد کی تربیت اور صوفیوں کی صحبتوں کا میرؔ کی شخصیت پر گہرا اثر پڑا اور ان میں بچپن سے ہی دردمندی اور قلندری کی شان پیدا ہوگئی جس کا اثر ان کے کلام پر بھی نظر آتا ہے۔ میرؔ کے والد کے مرید سید امان اللہ میرؔ کو بے حد عزیز رکھتے تھے، انہیں خود سے الگ نہیں کیا کرتے تھے، ساتھ سلایا بھی کرتے تھے، میرؔ آپ کو چچا کہا کرتے تھے، آپ میرؔ کے لئے بہت فکر مند رہا کرتے تھے، دس برس کی عمر میں میر ان کی شفقت سے محروم ہو گئے، اس کے بعد سے میرؔ کی زندگی میں مصیبتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، سید امان اللہ کی وفات کے صرف سات مہینوں بعد ان کے والد بھی مالک حقیقی کو پیارے ہو جاتے ہیں، میرؔ یتیم ہو جاتے ہیں۔ میرؔ پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے، سوتیلے بھائی نے اپنی ذمہ داری سے نظر پھیر لیا۔ اب میرؔ کے لئے آزمائیشوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، والد کی زندگی میں جو لوگ آنکھوں پر بٹھاتے تھے انہوں نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ گھر کی ذمہ داری میرؔ پر تھی، چھوٹے بھائی بہن کی کفالت کے لئے معاش ایک بڑا مسئلہ تھا، پہلے تو آگرہ میں ہی کوششیں کیں مگر کوئی راستہ نہیں نکلا تو دلی کے سفر کا ارادہ کیا اور دلی کا رخ کیا۔ پہلی بار دلی پہنچے تو یہاں انجان شہر میں مصیبتیں سر پر تھیں، اللہ کا کرم ہوا اور امیر لامراء نواب صمصام الدولہ خاں کے بھتیجے 'خواجہ محمد باسط' سے ملاقات ہوگئی، انہیں کے توسط سے نواب سے ملاقات کے بعد نواب کے ملازم ہوئے اور ایک روپے روزینہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ نادر شاہ کے دلی پر حملہ یعنی ۱۷۳۹ء میں دلی اجڑ گئی، صمصام الدولہ بھی شہید ہو گئے، میرؔ کا وظیفہ بھی بند ہو گیا، اب کوئی چارہ نہ بچا تو دلی چھوڑ کر پھر آگرہ آ گئے۔ یہاں اطمینان نہ ملا تو چند مہینوں بعد پھر دلی کا رخ کیا اور اپنے سوتیلے ماموں سراج الدین علی خان آرزو کے یہاں قیام کیا۔ یہاں میرؔ نے علم حاصل کیا، یہاں میرؔ نے امیروں کے بچوں کو پڑھانا بھی شروع کیا، یاران شہر سے مصاحبت بھی کرتے تھے۔ خود خان آرزو جو فارسی کے بڑے شاعر بھی تھے ان سے میرؔ نے فارسی زبان سیکھی، گرچہ میرؔ اس بات کا اعتراف کرتے نظر نہیں آتے مگر معاصرین کی گواہی

کی روشنی میں مورخین نے لکھا ہے کہ ''میر کی فارسی دانی خان آرزو کی مرہون منت ہے''۔لیکن بقول میرؔ سوتیلے بھائی حافظ محمد حسن نے اپنے ماموخان آرزو کومکتوب لکھا، جس میں لکھا کہ ''میر محمد تقی فتنہ روزگار ہے اس کی تربیت ہرگز نہ کرنی چاہئے ، بلکہ دوستی کے پردے میں کام تمام کردینا چاہئے''۔میرؔ کے سوتیلے بھائی کے اس خط اور منصوبے کے بعد خان آرزو نے میرؔ سے دشمنی کا برتاؤ شروع کردیا۔ذراذراسی بات پر ڈانٹتے پھٹکارتے اور ہروقت کڑی نگرانی میں رکھتے۔اس بندش اور گھٹن بھرے ماحول نے میر کے ذہن ودماغ کو بری طرح متاثر کیا۔

خان آرزو کی دل آزاری نے میرؔ کواس قدر رنجیدہ کیا کہ خودکوایک کمرے میں قید کرلیا،غم اورغصہ نے اس طرح گھیرلیا کہ میرؔ پر جنون کی سی حالت طاری ہوگئی۔شاید کچھ جارحیت بھی پیدا ہوگئی تھی اس لئے گھر والے بھی ان کے قریب نہیں آتے تھے۔ان کی اپنی خودنوشت 'ذکر میر' میں ان کے بیان سے ناقدین قیاس کرتے ہیں کہ یہ جنونی کیفیت عشق کا ثمرہ بھی ہوسکتی تھی، میرؔ نے ذکر میرؔ میں جس شکل مہتابی کا ذکر کیا ہے وہ خان آرزو کے خاندان کی کوئی لڑکی رہی ہوگی جس کا نام چاندنی،مہتاب یا قمر ہوسکتا ہے۔اسی کا نام لے کر راتوں کو پکارتے بھی تھے اور جس کی بازگشت ان کی شاعری میں بھی مل جاتی ہے:

لیتے ہی اس کا نام سوتے سے چونک اٹھے ہو
ہے خیر میرؔ صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

میرؔ کے والد علی متقی کی مرید زوجہ محمد فخرالدین خان جوآپ کی رشتہ دار بھی تھیں،انہوں نے میر کے علاج پر اپنی قوت اور دولت دونوں صرف کیا،اللہ کے کرم سے عالم جنون سے نجات ملی تو پڑھنا شروع کیا۔اسی زمانے میں ایک دن کسی کتاب کے متفرق اوراق لئے ہوئے بازار میں بیٹھے تھے کہ میر جعفر عظیم آبادی کا اس راستے سے گزر ہوا،میرؔ کو دیکھ کر انہیں لگا کہ پڑھنے کا شوق رکھتا ہے،انہوں نے میرؔ کو پڑھانے کی خواہش کا خود اظہار کیا،اور بلا معاوضہ انہوں نے میرؔ کو بڑی تن دہی سے فارسی پڑھائی۔

میرؔ نے باقاعدہ فارسی زبان میں شعر لکھنا شروع کیا،سید سعادت علی امروہی کے مشورہ پر میرؔ نے اردو میں شعر کہنا شروع کیا،میرؔ نے محنت اور مشق سے جلد ہی اردو شاعری میں مہارت حاصل کرلی اور اہل شہر میں ان کے شاعری کا چرچہ بھی ہونے لگا۔ایک دن کا واقعہ ہے کہ خان آرزو نے میرؔ کو کھانے پر بلایا اور کسی بات پر بری طرح ڈانٹ دیا،میر مایوس ہوکر بغیر کھائے باہر نکل گئے ، راستے میں ہی علیم اللہ نامی ایک شخص نے آ پکڑا،اور میرؔ کی شاعری کے مشتاق نواب رعایت خان کو میرؔ سے ملوا دیا، نواب میرؔ سے اخلاقانہ پیش آئے اور انہیں اپنے مصاحبوں میں داخل کرلیا،اس طرح میرؔ کی پہلی ملازمت کا آغاز ہوا۔

میرؔ نے رعایت خاں کے ساتھ اچھا وقت بصر کیا، اس کے ساتھ سرہند اور اجمیر کا سفر بھی کیا، مگر کچھ برسوں بعد رعایت خان نے میرؔ کی انا کو مجروح کیا تو میر نے ملازمت چھوڑ دیا۔ تھوڑا وقت بے روزگاری میں گزرا، مگر جلد ہی نواب جاوید خان خواجہ سرا کی فوج میں ملازمت مل گئی، ملازمت کیا تھی بس تنخواہ لیتے رہنا تھا، دراصل میرؔ کی شخصیت اور شاعری کا نواب بہت لحاظ کرتا تھا اس لئے میرؔ کے ساتھ اس کا رویہ مشفقانہ تھا، حتیٰ کہ جاوید خان کو منصب سے برطرف کئے جانے کے بعد بھی میر کا وظیفہ جاری رہا، جو نواب جاوید خاں کی موت (۱۷۵۲ء) کے بعد بند ہو گیا۔ اس بات کی خبر صفدر جنگ کے دیوان مہانرائن کو لگی تو اس نے اپنے داروغہ دیوان خانہ شرف الدین پیام کے بیٹے میر نجم الدین علی سلام کے ہاتھ کچھ نقد روپے بطور امداد بھیجا اور بڑے اشتیاق سے میرؔ کو طلب کیا، میرؔ نے مہانرائن کی ملازمت اختیار کر لی، یہ زمانہ فراغت کا گزرا، غالباً اسی زمانہ میں میرؔ نے شعرائے اردو کا تذکرہ ''نکات الشعرا'' مرتب کیا۔ چند مہینے کی ملازمت کے بعد میرؔ نے مہانرائن کی ملازمت چھوڑ دی۔ دلی کے حالات بھی اچھے نہیں تھے، صفدر جنگ نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دیا، پرانہ شہر اس جنگ کی نذر ہو گیا، آخر کار صفدر جنگ نے شہنشاہ سے صلح کیا اور اودھ کی گورنری کے ساتھ دلی سے رخصت ہوا۔ برباد ہوتی ہوئی دلی کے ساتھ میرؔ کے حالات بھی بگڑتے گئے، معاشی حالت خراب ہو چکی تھی، بس زندگی گزر رہی تھی۔ یہاں تک کہ عماد الملک کی لشکر کے ساتھ سکندر آباد کا سفر بھی کیا، مگر میرؔ سکندر آباد سے بھاگ کر پھر دلی آ گئے، اور گوشہ نشینی میں زندگی گزارتے رہے۔ کچھ دنوں بعد محمد شاہ کے ایک امیر راجا ناگرمل کی ملازمت میں دربار سے وابستہ ہوئے۔ دلی پر احمد شاہ ابدالی کے حملے کے بعد دلی مکمل طور پر لٹ گئی، امراء کی حالت بھی خراب ہو گئی تھی، میرؔ کو بھی دلی کی بربادی نے متاثر کیا، دو وقت کی روٹی پر بھی آفت آ گئی تھی، اضطرار کے عالم میں کئی امراء کے دروازے پر دستک دیا مگر سب کی حالت خراب تھی۔ میرؔ مفلسی سے پریشان ہو کر ایک رات راجہ ناگرمل کے بیٹے سے ملنے پہنچ گئے، بڑی مشکل سے ملاقات ہوئی، اسے اپنے اشعار سنائے، اسی محفل میں میرؔ کے ایک واقف کار خواجہ غالب موجود تھے، انہوں نے میرؔ کی مفلسی وتنگ دستی اور ان کے حالات کو تفصیل سے راجا کو بتایا، راجا نے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا جو ایک سال تک جاری رہا۔ میرؔ روزارات کو یہاں نشست میں شعر سنایا کرتے تھے، کسی طرح مفلسی دور ہوئی۔

ابھی حالات بہتر ہوئے بھی نہیں تھے کہ دلی ایک بار پھر لٹنے والی تھی، اب دلی پر مرہٹوں کی یورش شروع ہو گئی تھی، لوٹ مار کا بازار گرم تھا، دلی کے حالات ایسے غیر یقینی ہو گئے تھے رہنا محال تھا۔ میرؔ نے راجا ناگرمل سے مل کر دلی سے ہجرت کا ارادہ ظاہر کیا، تو راجا نے کچھ دے کر انہیں رخصت کیا۔ میرؔ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ پیدل ہی دلی سے روانہ ہو گئے، بمشکل آٹھ نو کوس

چلے تھے کہ رات ہوگئی، ایک سرائے میں رات گزاری، قسمت نے ساتھ دیا کہ اگلی صبح اسی راستے پر راجا جگل کشور کی بیوی کا گزر ہورہا تھا، اس نے میر اور ان کے خاندان کی تباہ کن حالت دیکھ کر انہیں اپنے ساتھ برسانہ لے گئیں۔ یہاں سے میرؔ کمھیر (راجستھان) آ گئے، یہاں صفدر جنگ کے خزانچی لالہ رادھا کرشن کے بیٹے کی مدد سے آباد ہوئے تو زندگی نے کچھ اطمینان پایا۔ پانی پت کی تیسری عظیم جنگ (۱۷۶۱ء) کے بعد جب ماحول پرسکون ہوا تو میرؔ نے پھر دلی کا رخ کیا، اب دلی بدل چکی تھی، لٹی ہوئی دلی کا رنگ ہی پھیکا ہوگیا تھا، نہ وہ دلی رہی نہ دلی کی خوبصورتی باقی رہی، واپس کمھیر آ گئے۔

میرؔ راجا ناگرمل کے وظیفے پر ان کی ملازمت میں تھے، سورج مل جو آگرہ اور اطراف میں قابض ہو چکا تھا اس سے صلح کے لئے راجا ناگرمل نے آگرہ سفیر بھیجا، اس سفارت میں میرؔ بھی شامل تھے، اس طرح تقریباً تئیس (۲۳) سالوں بعد اپنے شہر آگرہ پہنچے۔ شاعر کے طور پر میرؔ کی شہرت آگرہ ان سے پہلے پہنچ چکی تھی، میرؔ کا یہاں قیام نہایت خوشگوار رہا، لوگ ان سے ملنے آتے اور انہیں گھیرے رہتے، مقامی شعراء استاد میرؔ سے فیض حاصل کرنے ان کی صحبت میں وقت گزارتے اور ملاقاتیں کرتے تھے، آگرہ میں چار ماہ گزارنے کے بعد میرؔ کمھیر واپس آ گئے۔ راجا ناگرمل نے میرؔ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ جب کمھیر میں شورش کا ماحول دیکھ کر وہ قلعہ چھوڑنے لگا تو اپنے تمام لوگوں کے ساتھ میرؔ کو بھی لے کر نکلا۔ میرؔ شاہ عالم سے صلح کے لئے راجا ناگرمل کے لشکر کے ساتھ فرخ آباد کے لئے نکلے مگر سیاسی شورش کی وجہ کر لشکر فرخ آباد کے بجائے دلی کی طرف آ گیا۔ میرؔ لشکر کے ساتھ دلی آ گئے، اپنے بیوی بچوں کو پہلے لشکر سے الگ کیا اور پھر بعد میں خود بھی لشکر سے الگ ہو گئے، یعنی راجا ناگرمل سے علیحدگی اختیار کرلیا، کیوں کہ ان کے کئے ہوئے عہد و پیمان کو بے سبب توڑ دیا گیا تھا۔

اس بار دلی قیام کے دوران میرؔ شاہی لشکر کے ہر سردار سے ملتے تھے، یہ لوگ ایک مشہور شاعر کی مدد بھی کیا کرتے تھے، ساتھ ہی نواب حسام الدین خان کے چھوٹے بھائی وجیہ الدین خان نے کچھ وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔ بقول میرؔ کہ ''کتے بلی کی سی زندگی گزر رہی تھی''۔ یہ زمانہ ۱۷۷۴۔۷۵ء کا زمانہ تھا، دلی سیاسی طور پر برباد ہو چکی تھی، اب یہاں علمی اور ادبی محفلوں میں بھی سناٹا تھا، شعراء گوشہ نشینی اختیار کر چکے تھے، جو شاعر تھے وہ میرؔ کے ہم سر نہ تھے، اس لئے میرؔ کا گزارا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ جنوری ۱۷۷۵ء میں جب آصف الدولہ مسند نشیں ہوا تو اس نے میرؔ کو لکھنؤ بلانا چاہا تو نواب سالار جنگ نے میرؔ کو خط لکھا، میرؔ کو نواب کا خط ملا، میرؔ پہلے سے ہی دل برداشتہ ہو کر بیٹھے تھے، موقع ملتے ہی دلی چھوڑ کر لکھنؤ آنے کو تیار ہو گئے۔ میرؔ لکھنؤ پہنچے تو نواب نے انہیں گلے سے لگایا اور اپنے مصاحبوں کے صف میں شامل کرلیا۔

لکھنؤ میں میرؔ کی زندگی کے آخری ایام خوشگوار گزرے، نواب آصف الدولہ کے بعد نواب سعادت علی خاں نے بھی میرؔ کی سر پرستی جاری رکھی، اس زمانے میں میرؔ کو دوسو روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ میرؔ لکھنؤ کے بڑے شعرا میں تھے، مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور آخری کلام میرؔ کا ہوا کرتا تھا۔

یوں تو میرؔ کی پوری زندگی اپنے آپ میں دردوالم کی داستان ہے، مگر زندگی کے آخری ایام میں بھی انہیں سکون میسر نہیں آیا۔ پہلے ان کی ایک جوان بیٹی کا انتقال ہوا، اگلے ہی سال جون بیٹا میر فیض علی بھی داغ مفارقت دے گئے۔ جسم کی توانائی نے تو پہلے ہی ساتھ چھوڑ دیا تھا، ان صدموں نے ان کے حواس میں بھی خلل پیدا کیا، مزاج تو صوفیانہ تھا ہی حالات نے دنیا سے بالکل بے زار کر دیا، میرؔ گوشہ نشیں ہو گئے، محفلوں میں جانا بند کر دیا۔ پیری پر بیماری کا حملہ ہوا، تین دن بہت برے گزرے اور بالآخر ۲۰ر شعبان ۱۲۲۵ھ/ ۲۰ر ستمبر ۱۸۱۰ء کو شام کے وقت میر انتقال کر گئے۔ لکھنؤ کے محلّہ سٹّھی میں انتقال ہوا اور لکھنؤ میں ہی اکھاڑہ بھیم واقع قبرستان میں اپنی بیوی اور بیٹی۔ بیٹوں کی قبروں کے پاس دفن کئے گئے۔

میرؔ نے دو شادیاں کی تھیں، پہلی شادی دلی میں ہی کیا تھا، جن سے ایک بیٹے فیض علی تھے، بعد میں لکھنؤ میں دوسری شادی کی تھی۔ دوسری بیوی سے ایک بیٹی اور ایک ایک بیٹے حسن عسکری عرف کلو عرشؔ تھے۔ بیٹی اور بیٹا فیض علی جوانی میں ہی انتقال کر گئے تھے، مگر کلو عرش بہت دنوں تک زندہ رہے، وہ شاعری بھی کیا کرتے تھے، ان کا ایک دیوان بھی مرتب ہوا تھا۔

جہاں تک تصانیف میرؔ کا تعلق ہے میرؔ کی اردو شاعری کے کل چھ (٦) دواوین ہیں، جن میں غزلیات کے علاوہ مثنویاں، قصائد اور مراثی بھی ہیں۔ فارسی شاعری کا ان کا ایک ضخیم دیوان ہے، جس کے قلمی نسخے تو دستیاب تھے مگر شائع کرنے کا شرف ڈاکٹر نیر مسعود رضوی کو حاصل ہوا، جسے انہوں نے ترتیب دے کر 'نقوش، لاھور' کے میر نمبر میں شائع کیا تھا۔ اس کے علاوہ اردو شعرا کا ''تذکرہ نکات الشعراء'' میر کی اہم تصنیف ہے، جسے اردو ادب کی تاریخ میں نمایاں حیثیت حاصل ہے، اسے اردو شعرا کا پہلا تذکرہ بھی مانا جاتا ہے۔ ''ذکر میر'' میر کی خودنوشت سوانح عمری ہے، میرؔ اردو کے پہلے شاعر ہیں جن کی خودنوشتہ سوانح عمری ملتی ہے، ''ذکر میر'' فارسی زبان میں ہے، اس کا اردو خلاصہ مولوی عبدالحق نے کیا، جو پہلی بار سہ ماہی رسالہ 'اردو' میں چھپا، بعد میں مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمہ کے ساتھ اسے شائع کروایا۔ ''فیض میر'' اور ''قصہ دریائے عشق'' میرؔ کی فارسی نثر کی دو اہم کتابیں ہیں۔ ''قصہ دریائے عشق'' دراصل میرؔ کی مشہور مثنوی ''دریائے عشق'' کی نثری شکل ہے۔

☆☆☆☆☆